Mujalla Islami Fikr-o-Tahzeeb (MIFT)
Volume 4 Issue 1, Spring 2024
ISSN(P): 2790 8216 ISSN(E): 2790 8224
Homepage: https://journals.umt.edu.pk/index.php/mift

Article QR

قاری محمد طیب قاسمی(۱۸۹۷ء۔۱۹۸۳ء)کی تالیفات میں تفسیری ابحاث: مجموعہ رسائل حکیم الاسلام جلد اول کا تخصیصی مطالعہ

Title: **Exegetical research in the compilations of Qari Muhammad Tayyab Qasmi (1897-1983): A special study of the first volume of Rasa'il al-Hakim al-Islam**

Author (s): Asim Naeem [1]

Affiliation (s): 1 University of the Punjab, Lahore, Pakistan.

DOI: https://doi.org/10.32350/mift.41.09

History: Received: Jan 22, 2024, Revised: Mar 27, 2024, Accepted: April 13, 2024, Published: June 26, 2024

Citation: Naeem, Asim.“Exegetical research in the compilations of Qari Muhammad Tayyab Qasmi (1897-1983): A special study of the first volume of Rasa'il al-Hakim al-Islam.” *Mujalla Islami Fikr-o-Tahzeeb* 4, no. 1 (2024): 129–144. https://doi.org/10.32350/mift.41.09

Copyright: © The Authors

Licensing: This article is open access and is distributed under the terms of Creative Commons Attribution 4.0 International License

Conflict of Interest: Author(s) declared no conflict of interest

A publication of
Department of Islamic Thought and Civilization, School of Social Sciences and Humanities
University of Management and Technology, Lahore, Pakistan

قاری محمد طیب قاسمی (۱۸۹۷ء۔۱۹۸۳ء) کی تالیفات میں تفسیری ابحاث: مجموعہ رسائل حکیم الاسلام جلد اول کا تخصیصی مطالعہ

Exegetical research in the compilations of Qari Muhammad Tayyab Qasmi (۱۸۹۷-۱۹۸۳): A special study of the first volume of Rasa'il al-Hakim al-Islam

Asim Naeem *

University of the Punjab, Lahore, Pakistan.

Abstract

Darul Uloom Deoband and its associated figures are on the top list among the institutions and personalities who played an important role in the survival and revival of Muslim religious thought in the Indian subcontinent. In the latter half of the ۱۹th century AD, the people who had heartache related to the thought of Shah Waliullah created a religious institution called Darul Uloom Deoband for the survival and revival of the Muslim thought, which in the following centuries fulfilled its purpose of establishment and formation in a good way. Qari Muhammad Tayyab Qasmi bin Maulana Muhammad Qasim Nanotowi, was the trustee of this intellectual, religious and intellectual legacy. For more than half a century, he was the patron of Darul Uloom Deoband. He was a perfect theologian, a wise leader and administrator, and a comprehensive theologian. He used to have no difficulty in giving a continuous and frank speech for two or three hours on the most important issues and presenting solid academic material. He had a special ability in explaining the facts and mysteries of Shariat and inventing subjects. In particular, he presents the Qur'anic verses as evidence and brings out such knowledge points from this particular verse that are not seen in the earlier exegesis collection. In the present paper, the contents related to beliefs, ideas, actions and ethics mentioned in "Khutbat Hakeem al-Islam Vol.۱" are collected and analysed from an exegetical point of view.

Keywords: Sermons of Tayyab Qasmi, Quranic Verses, Exegetical points

۱. موضوع کا تعارف و اہمیت

برصغیر پاک وہند میں مسلم دینی فکر کی بقاو احیاء میں جن اداروں اور شخصیات نے اہم کردار ادا کیا، ان میں دارالعلوم دیوبند اور اس سے وابستہ شخصیات سرِ فہرست ہیں۔ انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں مسلم سیاسی اقتدار مکمل شکست وریخت سے دوچار ہو چکا تھا اور برطانوی اقتدار ہندوستان کے نظامِ سیاست و معیشت اور تعلیم و معاشرت پر اپنی گرفت کو مضبوط و مستحکم کر چکا تھا۔ برطانیہ نے اپنے اقتدارِ مطلق کو دوام دینے کے لیے یہاں کے باشندوں کے لیے ایک خاص نظامِ تعلیم و تربیت متعارف کروانا چاہا، جس سے انہیں ایک ایسی قوم مطلوب تھی، جو مذہباً اپنے آپ کو جس مذہب سے چاہے منسوب کرے لیکن فکر و عمل اور تہذیب و تمدن میں حکمران قوم کی پیرو اور وفادار ہو۔ اس مقصد کے لیے مقامی مذاہب خاص طور پر اسلام کے نظامِ اعتقاد و عمل اور اس کی حرکی فکر کو دبانا اور ختم کرنا ضروری تھا۔ ان حالات میں مسلمانانِ برصغیر میں ولی اللہی فکر سے وابستہ دردِ دل رکھنے والے حضرات نے مسلم فکر کی بقاء اور احیاء کے لیے دارالعلوم دیوبند کے نام سے ایک دینی ادارہ تشکیل دیا، جس نے آئندہ صدیوں میں اپنے مقصدِ تاسیس و تشکیل کو باحسن طریق سرانجام دیا۔

*Corresponding author: asimnaeem.is@pu.edu.pk

قاری محمد طیب قاسمی بن مولانا محمد قاسم نانوتوی، اسی علمی و دینی و فکری وراثت کے امین تھے۔ نصف صدی سے زیادہ عرصہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم رہے۔ آپ ایک باکمال عالمِ دین، ایک مدبر رہ نما و منتظم، اور جامع الجہات عالمِ دین تھے۔ دیگر صفات کے ساتھ ساتھ قوتِ بیان کے وصف میں بھی اپنے عم عصر علماء میں نمایاں تھے۔ حق تعالیٰ نے انہیں خطابت کا خاص ذوق، زبان و بیان کا خاص انداز اور افہام و تفہیم کا خاص ملکہ عطا ہوا تھا۔ اردو، عربی اور فارسی، تینوں زبانوں میں بلا تکلف خطاب فرماتے تھے۔ اہم سے اہم مسائل پر دو تین گھنٹے مسلسل اور بے تکلف تقریر کرنے اور ٹھوس علمی مواد پیش کرنے میں آپؒ کو کوئی رکاوٹ اور تکلف نہیں ہوتا تھا۔ حقائق اور اسرار شریعت کے بیان اور ایجاد مضامین میں آپ کو خاص قدرت حاصل تھی۔

آپ کے خطبات و بیانات میں شریعت کے جملہ پہلوؤں پر مفید اور عالمانہ و عارفانہ معلومات موجود ہوتی تھیں۔ ان کے تذکرہ نگاروں کا کہنا ہے کہ ان کے علوم اکتسابی سے زیادہ وہبی ہوتے تھے۔ مشکل اور ادقّ موضوعات و مسائل کو سہل انداز میں بیان کرنے میں انہیں خاص ملکہ حاصل تھا۔ خاص طور پر آیاتِ قرآنیہ کو بطور شواہد پیش کرتے ہیں اور اس خاص آیت سے ایسے علمی نکات سامنے لاتے ہیں جو اس سے قبل کے تفسیری ذخیرے میں نظر نہیں آتے ہیں۔ جیسے آیتِ کریمہ: وانک لعلی خلقٍ عظیمٍ[1] کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جب اس آیت کی تفسیر سیدہ عائشہؓ صدیقہ سے پوچھی گئی تھی تو انہوں نے فرمایا کہ وکان خلقه القرآن[2] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق و سیرت قرآن ہی ہے اور قرآن کے بارے میں خود حضرت صاحبِ سیرت علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ: ولا تنقضی عجائبه ولا یخلق عن كثرة الرد[3] (اس قرآن کے عجائبات (علوم و معارف) کبھی ختم ہونے والے نہیں۔ اور یہ بار بار کے تکرار سے کبھی بھی پُرانا نہیں ہوگا (کہ دل اس سے اکتا جائیں)[4]

اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سیرت کے عجائبات بھی کبھی ختم نہیں ہوں گے فرق صرف یہ ہے کہ قرآن میں لامحدود علمی عجائبات ہیں اور ذاتِ بابرکاتِ نبوی ﷺ کی سیرت میں یہی عجائبات عملی صورت میں ہیں۔ گویا ایک علمی قرآن ہے اور ایک عملی قرآن۔ یعنی سیرت ہے جو ذاتِ نبوی ﷺ میں محفوظ ہے۔ اور دونوں آپس میں ایک دوسرے پر من و عن منطبق ہیں۔۔۔[5] آپ کی تحریر و تقریر الفاظ و معانی کی ایک نہرِ سلسبیل تھی جو یکساں روانی سے بہتی تھی اور قلب و دماغ کو نہال کر دیتی تھی۔ آپ نے کوئی باقاعدہ تفسیر نہیں لکھی ہے لیکن آپ کے یہ خطبات، اسلام کے عقائد و عبادات، معاشرت و معیشت، اخلاق و اعمال، تہذیب و تمدن، اور تاریخ و روایات کی تشریحات و حکمتوں کا گنج ہائے گراں مایہ ہیں۔ اس میں قرآنِ حکیم کی علمی تفسیر کے ساتھ ساتھ عملی تفسیر بھی نظر آتی تھی۔ بعض خطبات تو ایسے ہیں جو پوری کی پوری سورت کی تفسیر ہیں۔ آپ کی رواں دواں اور دلکش تقریر جب علم کے گہرے سمندر سے گزرتی تھی تو لہروں کا سکوت قابل دید ہوتا تھا۔ آپ کے منتخب علمی خطبات دس جلدوں میں "**خطبات حکیم الاسلام**" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

---

[1]۔ القلم ۶۸: ۴

[2]۔ احمد بن حنبل، **مسند احمد**، حدیث السید ۃ عائشۃ رضی اللہ عنہا (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۲۰۰۲م)، ۵۰: ۱۱۶۔

[3]۔ البیہقی، **شعب الایمان** (بیروت: دار العلم، ۱۹۹۸م)، ۴: ۴۹۸۔

[4]۔ قاسمی، قاری محمد طیب، **خطباتِ حکیم الاسلام**، مرتبہ: محمد عمران قاسمی بگیانوی (مردان: مکتبۃ الاحرار، ۲۰۱۱)، ۱: ۲۵۳۔

[5]۔ قاسمی، قاری محمد طیب، **خطباتِ حکیم الاسلام**، ۱: ۲۵۴۔

ہر کتاب اپنے مواد اور اپنی جامعیت اپنے اسلوب بیان اور اپنے طرز استدلال میں انوکھی ہے، ہر کتاب آپ کی مخصوص طرز تحریر کے ساتھ عالمانہ و محققانہ مباحث زبان و بیان کی رعنائیوں اور دل آویزیوں سے آراستہ پیراستہ ہے۔ ضرورت تھی کہ آپ کے مذکور خطبات میں اعتقادات، نظریات، اعمال اور اخلاقیات سے متعلق موجود مواد کو تفسیری نقطہ نظر سے جمع کیا جائے اور مذکور علمی نکات، نادر تحقیقات سے علمی دنیا کو آشنا کیا جائے۔ مذکور علمی و تحقیقی و اصلاحی نکات، عصری تحدیات میں نشانِ راہ کا کام دے سکتے ہیں۔

زیرِ نظر مقالہ میں خطبات کی جلد اول سے تفسیری مضامین کی تجمیع و تحلیل و تجزیہ کیا گیا ہے۔

۲. موضوع کا بنیادی سوال

زیرِ نظر مضمون کے بنیادی سوالات حسب ذیل ہیں:

قاری محمد طیب قاسمی کی تحاریر و بیانات میں تفسیرِ قرآن کا کیا اسلوب اختیار کیا گیا ہے اور اس کی انفرادیت و حیثیت کیا ہے؟ اسے عمومی تفسیری ادب میں کیا مقام دیا جا سکتا ہے؟

"خطبات حکیم الاسلام" جلد اول کے بالاستیعاب مطالعہ کے بعد مذکور سوالات کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس ضمن میں صاحبِ کتاب کا مختصر سوانحی و علمی تعارف دینے کے بعد ان کے بیانات سے تفسیری مواد اور اس کے منہج و خصائص کو بیان کیا گیا ہے۔

۳. قاری محمد طیب قاسمی کا تعارف

برعظیم پاک و ہند میں ولی اللہی اَفکار کے فروغ میں جن اکابرین نے نمایاں کردار ادا کیا، ان میں ایک اہم مولانا محمد قاسم نانوتوی کا ہے، جنھوں نے نہ صرف یہ کہ دین اسلام کی تعلیمات کو علمی و عقلی بنیادوں پر واضح فرمایا، بلکہ عملی میدان میں بھی برِعظیم کی آزادی کے لیے کردار ادا کیا۔ حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی اسی عظیم ہستی کے پوتے ہیں۔ وہ محرم الحرام ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء میں دیوبند میں مولانا محمد احمد قاسمی کے ہاں پیدا ہوئے۔ تعلیم کے حصول کی غرض سے دارالعلوم دیوبند میں داخل کروائے گئے، جہاں سے ۱۹۱۸ء میں سندِ فراغت حاصل کی۔ ان کے اساتذہ میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن، مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی، مولانا حبیب الرحمن عثمانی، مولانا خلیل احمد سہارن پوری، مولانا سیّد اصغر حسین، مولانا انور شاہ کاشمیری، مولانا اشرف علی تھانوی اور ان کے والدِ گرامی مولانا محمد احمد شامل ہیں۔

دارالعلوم دیوبند میں قیام کے دوران ہی مولانا کو حضرت شیخ الہند کے ساتھ مناسبت پیدا ہو گئی تھی۔ حضرت شیخ الہند کی توجہ سے ولی اللہی علوم و افکار آپ پر واضح ہوئے اور ان میں سوچ و بچار کا آغاز ہوا۔ حضرت شیخ الہند کے مالٹا تشریف لے جانے کے بعد آپ کا دلی تعلق حضرت اقدس مولانا شاہ عبد الرحیم رائے پوری، ان کے وصال کے بعد شاہ عبد القادر رائے پوری، اور ان کے وصال کے بعد ارادت کا تعلق مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ساتھ قائم فرمایا۔

۱۹۲۲ء میں حضرت قاری صاحب کی علمی و انتظامی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے دارالعلوم کی مجلس شوریٰ نے انھیں ادارے کے نائب مہتمم کی ذمہ داری تفویض کی۔ ۱۹۲۹ء میں ادارے کے مہتمم کی ذمہ داریاں بھی ان ہی کے حصے میں آئیں، جنھیں انھوں نے بہ حسن و خوبی سرانجام دیا۔ قاری طیب صاحب کے دورِ انتظام میں ادارے میں انقلابی تبدیلیاں لائی گئیں، جو ان کی انتظامی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہیں، جن میں نمایاں کام اساتذہ کی پنشن کا اجرا، ٹیم ورک کے اصولوں پر شعبہ تنظیم و ترقی کا آغاز، ماہنامہ رسالہ "دارالعلوم" کا آغاز، طلبا کے لیے فزیکل

ایجوکیشن اور کیلی گرافی کے شعبے کی بنیاد وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

آپ کے دورِ اہتمام میں دارالعلوم دیوبند کے مرکز نے دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کی۔ اس مادرِ علمی کی شہرت کے باعث دور دراز سے لوگ حصولِ تعلیم کے لیے یہاں آتے تھے۔ اس کثیر تعداد کی تعلیم و تربیت اور انتظامات کے لیے انھوں نے ان تھک محنت کی۔ اساتذہ کی تدریسی صلاحیت کو نکھارنے کے لیے ان کی تربیت پر خاص توجہ دی۔[۶]

مولانا عبید اللہ سندھی ۱۹۳۹ء میں جب ہندوستان واپس تشریف لائے تو حضرت قاری طیب قاسمی نے اِصرار کے ساتھ دارالعلوم دیوبند میں اُن سے حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی معرکۃ الآرا کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' پڑھانے کی درخواست کی۔ چناں چہ دارالتفسیر دارالعلوم دیوبند میں حضرت سندھیؒ نے یہ کتاب پڑھانا شروع کی، جس میں حضرت قاری صاحبؒ نے بھی امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ سے سبقاً سبقاً یہ کتاب پڑھی اور ولی اللّٰہی علوم و معارف میں کمال حاصل کیا۔

مذکورہ دور برعظیم کی سیاسی تاریخ کا ہنگامہ خیز دور تھا۔ اس دور میں تحریکِ آزادی اپنے عروج پر تھی۔ آپ نے بھی تحریکِ آزادی ہند میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہندوستان کے دوران جب فسادات کا سلسلہ شروع ہوا تو اس وقت ضرورت اس امر کی تھی کہ مسلمانوں کی اعانت کا بندوبست کیا جائے۔ اس صورتِ حال میں انھوں نے صوبہ بہار کے متاثرین کے لیے مالی اعانت کا بندوبست کروایا۔ اسی دوران پاکستان تشریف لائے، لیکن کچھ عرصے بعد بہ وجوہ دیوبند واپس جانے کو ترجیح دی۔

۱۹۴۹ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کورٹ کی مجلس میں رکن کے طور پر آپ کو منتخب کیا گیا۔ ۱۹۷۲ء میں ہندوستان میں مسلم عائلی قوانین کے تحفظ اور ان کے نفاذ کے لیے ''آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ'' کا قیام بھی انھیں کی کوششوں ہی کی بدولت ممکن ہوا۔

آپ کا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ وہ افکار و نظریات، جن کا تعارف ہمیں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی کی متعدد کتابوں میں ملتا ہے، ان کو عام فہم انداز میں عوام و خاص کے سامنے پیش فرمایا۔ اپنے عہد میں وہ بلاشبہ ''حکمتِ قاسمیہ'' کے ترجمان اور شارح تھے۔ مولانا طیب قاسمی کے خطبات میں عوام کی اصلاح اور اجتماعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے اور اسلام کی تعلیمات کو عقلی بنیادوں پر انتہائی سہل انداز میں پیش کرنے کے موضوعات شامل ہیں۔ مولاناؒ نے امام شاہ ولی اللہ دہلوی کے افکار کو آسان انداز میں لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ ان کی تحریر، تقریر، تصانیف اور مجالس وغیرہ میں ولی اللّٰہی رنگ کچھ اس انداز سے غالب تھا کہ انھیں سننے اور پڑھنے والا ان سیاسی، معاشی اور سماجی تصورات کو بہت اچھے انداز سے سمجھ لیتا ہے۔

۱۹۸۰ء میں صحت کی کمزوری کے باعث دارالعلوم دیوبند کے اہتمام کی ذمہ داری نبھانے سے معذرت کر لی تھی، البتہ درس و تدریس میں تادمِ آخر پیش پیش رہے۔ علم و معرفت کے گلشن کے اس مالی نے ۶؍ شوال ۱۴۰۳ھ / ۱۷؍ جولائی ۱۹۸۳ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ ان کی تدفین قبرستانِ قاسمی دیوبند میں ان کے دادا کے پہلو میں کی گئی۔

[۶] وسیم اعجاز (کراچی)، **مضمون**، در، مجلہ ماہنامہ رحیمیہ (لاہور: ستمبر ۲۰۲۰ء)، ۱۱۔

مولانا قاری محمد طیب قاسمی ایک محقق عالم دین تھے، آپ بیک وقت عالم، محقق، متکلم اور بہترین منتظم تھے، آپ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، آپ نے اپنے اسلاف کی یاد گار دارالعلوم دیوبند کو اپنی جوانی کے آغاز میں سنبھالا، اور اس کی خدمت میں پوری عمر بسر کر دی، آپ کی کوششوں کا دائرہ صرف دارالعلوم دیوبند تک ہی محدود نہ تھا بلکہ آپ نے عالم اسلام کی دینی رہنمائی کا فریضہ بھی بطریق احسن سرانجام دیا۔

۳.۱. علم تفسیر کا ذوق

علم تفسیر سے آپکا لگاؤ اور آپ کی نظروں میں اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپ کے زمانہ اہتمام میں دارالعلوم میں پہلے بار شعبہ تفسیر وجود میں آیا، دارالعلوم میں کافی عرصے تک یہ تجویز زیر غور رہی کہ جس طرح حدیث شریف کی اعلی تعلیم کے لیے دورہ حدیث کا اجراء کیا گیا ہے ایسے ہی تفسیر قرآن کریم کا فہم پیدا کرنے کے لیے دورہ تفسیر بھی ہونا چاہیئے، اس سے قبل تفسیر میں تفسیر بیضاوی سورہ بقرۃ اور جلالین پڑھائی جاتی تھی، جس سے طالب علم کی قرآن فہمی سے مناسبت سی پیدا ہو جاتی تھی، اور کامل فہم ذاتی مطالعہ پر موقوف تھا، چنانچہ اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی طالب علمی میں کچھ تفسیر پڑھا دینی چاہیئے تا کہ طالب علم کو اگر مطالعہ کے مواقع اگر میسر نہ بھی آسکیں تو سابقہ تعلم سے اس کی تلافی ہو سکے، اس مقصد کے لیے ۵۱، ۱۳۵۰ھ میں شعبہ تفسیر کا قیام عمل لایا گیا، جس میں دورہ تفسیر کے ساتھ ساتھ بیضاوی مکمل جلالین اور تفسیر القرآن العظیم المشہور تفسیر ابن کثیر شامل نصاب کی گئی، اور دورہ تفسیر سے پہلے الفوز الکبیر پڑھنا لازمی قرار دیا گیا، دورہ تفسیر کے شروع کرنے سے دارالعلوم دیوبند میں تفسیر کا معیار بھی انتہائی بلند ہوا، یہ بھی قاری صاحب کی مرہون منت تھا۔[7]

۳.۲. دار التفسیر کی تعمیر

دورۃ التفسیر کے لیے اس سے پہلے کوئی مستقل درسگاہ موجود نہ میں تھی، چنانچہ ۱۳۵۸ھ میں دار الحدیث کی بالائی منزل پر ۳۰*۳۰ فٹ مربع ہال کی درسگاہ تعمیر کی گئی، جس پر ایک خوبصورت گنبد بھی بنایا گیا، جو اپنی وسعت و رفعت کے لحاظ سے پر شکوہ عمارت ہے، جو دیکھنے والوں کو حیران کرتی ہے، یہ عمارت دارالعلوم میں قاری محمد طیب کی بہترین یاد گار ہے۔[8]

۴. تفسیری خدمات

قاری صاحب کی علمی قدو قامت کا اندازہ ماقبل میں مذکور انکی تالیفات کی فہرست سے لگایا جاسکتا ہے، اگرچہ انہوں نے مستقل طور پر تو تفسیر قرآن تصنیف نہیں فرمائی مگر ایسی علمی شخصیات کی تصنیف و تالیف، وعظ و نصیحت، خط و خطابت اور خطبات وغیرہ میں ایسے تفسیری نکات مل جاتے ہیں جو بڑی بڑی مستقل تفاسیر میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے، یہی بات قاری صاحب کی تالیفات، خطبات (جو چھ جلدوں پر مشتمل ہیں) اور جمع شدہ رسائل (جو سات جلدوں پر مشتمل ہیں) میں پائی جاتی ہے، جن میں علم تفسیر کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے، ذیل میں قاری صاحب کے تفسیری ذوق کی چند مثالیں ان کے خطبات سے پیش کی جاتی ہیں۔

---

[7] ۔ رضوی، سید محمد، **تاریخ دارالعلوم دیوبند** (لاہور: ادارہ اسلامیات، س ن)، ۱: ۲۸۲۔
[8] ۔ رضوی، سید محمد، **تاریخ دارالعلوم دیوبند**، ۱: ۳۰۰۔

۴.۱ تفسیر بالماثور کا انداز

آپ کے تفسیری نکات کا غالب رجحان تفسیر بالماثور کا ہے۔ تفسیری بیانات میں موقع بموقع احادیثِ نبویہ کے حوالے موجود ہیں۔ حفاظتِ دین کو بیان کرتے ہوئے درج ذیل چار احادیث درج کی ہیں:

ان الله يبعث لهذه الامة على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها .[۹]

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالی اس امت کے لئے ہر صدی کے شروع میں ایسے لوگ پیدا فرماتا رہے گا، جو امت کے لئے دین کو تازہ بہ تازہ نو بہ نو کرتے رہیں۔

يحمل هذا العلم من كل خلف عد وله ينفون عنه تحريف الغالين و انتحال المبطلين وتاويل الجاهلين.[۱۰]

ترجمہ: (سلف کے بعد) اخلاف میں سے ایسے معتدل لوگ ہمیشہ اس علم (دین) کے حامل ہوتے رہیں گے، جو غلو زدہ لوگوں کی تحریفوں اور باطل پرستوں کی دروغ بافیوں اور تلبیسوں اور جاہلوں کی رکیک تاویلوں کا پردہ چاک کرتے رہیں گے (اور ان خرافات کی نفی کرتے رہیں گے)۔

سیدنا حضرت معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے ہیں:-

قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم لا يزال من امتى امة قائمة بامر الله لا يضرهم من خذلهم ولا من خالفهم حتى يأتى امر الله وهم على ذالك.[۱۱]

کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ امر حق پر قائم رہے گی نہ ان کو کسی کا رسوا کرنا، رسوا کر سکے گا اور نہ کسی کا خلاف انھیں نقصان پہنچا سکے گا، یہاں تک کہ قیامت آجائے اور وہ اسی حالت پر مستقیم ہوں گے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:-

ابشروا و ابشروا انما مثل امتى مثل الغيث لايدرى اخره خيرام اوله الخ.[۱۲]

ترجمہ بشارت حاصل کرو اور خوشخبری لو کہ میری امت کی مثال بارش کی سی ہے، نہیں جانا جا سکتا کہ اس کا اول قطرہ زمین کے لئے زیادہ نافع تھا یا آخر کا۔

اس طرح کی مثالیں دیگر مقامات پر بھی موجود ہیں۔ نہ صرف تفسیر بالحدیث کی ہے، بلکہ اصولِ حدیث کے قرآنی آیات سے اثبات پر دلائل پیش کیے ہیں: جیسے ایک مقام پر ہیڈنگ قائم کی ہے: "خبرِ مشہور، خبرِ عزیز، خبرِ غریب: قرآن کی روشنی میں"۔

---

[۹]۔ الحاکم نیسابوری، **المستدرک**، كتاب الفتن والملاحم، باب يوما يوم كسنة، (بیروت: دار احیاء التراث، ۲۰۰۱م)، رقم: ۸۵۹۲

[۱۰]۔ ابن بطہ، **الابانۃ الکبریٰ**، (بیروت: دار العلم، ۱۹۹۹)، رقم: ۱۶۲۱۔

[۱۱]۔ بخاری، **الجامع الصحیح**، (بیروت: دار احیاء التراث، ۲۰۰۱)، رقم: ۱۶۶۔

[۱۲]۔ **اربعون حدیثاً من فضائل القرآن**، الجزء ۱، الحدیث ۱ (بحوالہ المکتبۃ الشاملہ، السعودیہ، ۲۰۲۲)، رقم: ۱۔

اس کی تفصیل میں لکھتے ہیں: " خبرِ مشہور جو کم از کم تین ثقہ راویوں کی روایت سے منقول ہو اس کا اور اس کی حجیت کا ثبوت بھی ہمیں قرآن سے ملتا ہے، قرآن حکیم نے اصحاب القریہ کے بارے میں فرمایا جو سورہ یسین شریف میں ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوا إِنَّا إِلَيْكُمْ مُرْسَلُونَ [13]

ترجمہ: یاد کرو گاؤں والوں کی مثال جب کہ ان کے پاس رسول آئے، جب ہم نے ان کی طرف دو رسول بھیجے تو انھوں نے انھیں جھٹلا دیا تو ہم نے تیسرے سے قوت دی اور ان (تینوں) نے کہا کہ ہم تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

اس سے واضح ہے کہ دو کی تکذیب کر دینے پر تیسرے کا اضافہ اولاً اس وجہ سے تھا کہ عادتاً تین ثقہ اور عادل افراد کو جھٹلانا فطرت انسانی کے خلاف ہے اور اس سے گاؤں والوں پر خدا کی حجت تمام ہو جائے گی۔ کیوں کہ تین آدمیوں کا مجموعہ جماعت کہلاتا ہے اور عادتاً نہ تو تین افراد کی جماعت اور وہ بھی نیک اور پارسا لوگوں کی مل کر جھوٹ بول سکتی ہے اور نہ ہی اسے جھٹلایا جاسکتا ہے۔ [14]

ظاہر ہے کہ یہاں نقل اور روایت کے سلسلے میں تین کا عدد پیش نظر ہے، رسالت کا وصف پیش نظر نہیں، کیوں کہ رسول تو ایک بھی ثقاہت وعدالت اور صدق وامانت میں ساری دنیا سے بڑھ کر ہوتا ہے، اگر گاؤں والوں کو رسالت کی عظمت پیش نظر ہوتی تو وہ ایک رسول کی بھی تکذیب کی جرات نہ کرتے، اور کرتے تو وہ خود ہی غیر معتبر ٹھہر جاتے، رسولوں کے عدد میں بلحاظ وصفِ رسالت اضافہ کی ضرورت نہ ہوتی۔ لیکن ان پر قانونی حجت تمام کرنی تھی تو آخر کار تین کا عدد مکمل کر کے رسالت ان تک پہنچوائی گئی کہ دنیا کے عام اصول پر تین سچے انسانوں کی خبر کسی طرح بھی قابل رد شمار نہیں کی جاتی۔

اس سے یہ اصول واضح ہو جاتا ہے کہ اگر تین تین کی روایت سے کوئی خبر روایت ہوتی ہوئی ہم تک پہنچے تو قرآن کی رو سے بلحاظ روایت وہ ہر گز رد نہیں کی جاسکتی، کیوں کہ اس سے نہ صرف غلبہ ظن بلکہ دیانتاً یقین حاصل ہو جاتا ہے، جس میں شک کی گنجائش نہیں رہتی۔ اور جب کہ یہی نوعیت خبر مشہور کی ہے تو قرآن کریم سے خبر مشہور اور اس کی حجیت کا ثبوت مل جاتا ہے۔ اندریں صورت خبر مشہور کے ثبوت اور اس کی حجیت کا منکر درحقیقت قرآن کے اس اصول اور آیت بالا کا منکر ہے، جس کو منکر قرآن کہا جائے گا۔ [15]

اسی طرح خبر عزیز جس کی روایت دو ثقہ راوی کریں قرآن حکیم سے ثابت اور معاملات میں ازروئے قرآن حجت ہے۔ ارشاد قرآنی ہے:

وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ وَ أَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ [16]

ترجمہ: اور گواہ بناؤ دو عدل والوں کو اپنے میں سے اور لوجہ اللہ شہادت قائم کرو۔

---

[13] ۔ سورۃ یسین: ۳۶: ۱۳۔

[14] ۔ قاسمی، محمد طیب، **مجموعہ رسائل حکیم الاسلام**، (مکتبۃ الاحرار، مردان، ۲۰۱۱)، ۱: ۸۷۔

[15] ۔ قاسمی، **مجموعہ رسائل**، ۱: ۸۷۔

[16] ۔ الطلاق ۶۵: ۲

اس کا حاصل یہ ہے کہ دو کی شہادت محض معتبر ہی نہیں بلکہ حجت بھی ہے، جس پر دین اور دنیا کے ہزارہا جانی، مالی، اخلاقی اور مابینی معاملات کا فیصلہ ہو جاتا ہے حتیٰ کہ قضائے قاضی ظاہراً و باطناً نافذ ہو جاتی ہے۔ یہ شہادت ظاہر ہے کہ روایت ہے، اس روایت کا نام شہادت تعارف کے طور پر محض اس لئے رکھ دیا گیا ہے کہ وہ سرکاری طور پر کسی مقدمے یا خصومت میں قاضی یا مجسٹریٹ ثالث و سرپنچ کے سامنے دی جاتی ہے، جس سے اس میں سرکاری اہمیت پیدا ہو جاتی ہے، ورنہ وہی روایت ہے جو عدالت کے کمرے کے باہر روایت کے نام سے موسوم ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس نام یا نسبت کے فرق ہے کہ ایک سرکاری خبر ہے اور ایک نجی، یا ایک اطلاع قضاء ہے اور ایک دیا تھا خبر کی حقیقت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر یہی شاہد عدالت کے کمرے سے باہر نکل کر یہی روایت پبلک کے سامنے بیان کرے تو تبدیلی نام و نسب کے سوا اور فرق ہی کیا ہو گا۔ بس اب اسے شہادت کے بجائے روایت کہنے لگیں گے لیکن خبر اور مخبر کی حقیقت وہی رہے گی، جو عدالت کے کمرہ میں تھی۔ اس لئے شہادت کی تمام شرائط در حقیقت روایت کی شرائط ہیں۔ پس جیسے شہادت بلاواسطہ ہو تو اس کا عینی ہونا ضروری ہے کہ شاہد اپنا مشاہدہ یا سماع بیان کرے، ایسے ہی روایت میں بھی راوی اول کے لئے ہی شرط ہے کہ روایت کردہ واقعہ اس کا چشم دید یا براہ راست خود شنیدہ ہو۔ پھر جیسے روایت بالواسطہ بھی ہوتی ہے ایسے ہی شہادت بھی بالواسطہ ہو سکتی ہے، جسے شہادت علی الشہادت کہتے ہیں، اور جیسے ان وسائط کی شہادت کے لئے ضروری ہے کہ جس پر شہادت کی انتہا ہو وہ اپنا چشم دید یا خود شنیدہ واقعہ بیان کرے، ایسے ہی روایت کی سند کے لئے بھی ضروری ہے کہ اس کی انتہاء اس پر ہونی چاہیئے کہ راوی اول اپنا مشاہدہ یا سماع نقل کرے پھر ثقہ اور اعتماد کی جو شرائط شاہد کے لئے ہیں وہی راوی کے لئے بھی ہیں جن کی تفصیلات فن میں مدون ہیں۔"[17] اس کی مزید مثالیں بھی تفسیری نکات میں موجود ہیں۔[18]

۴.۲ اثری اور نظری تفسیر کا امتزاج

ماثور تفسیری رجحان کے ساتھ ساتھ اجتہادی آراء بھی تفسیر کا جزو ہیں۔ اس کی کئی مثالیں تفسیر میں موجود ہیں۔[19]

۴.۳ حالاتِ حاضرہ اور مسائلِ پیش آمدہ کا تذکرہ

تفسیری نکات میں سیاسی، معاشی، سماجی اور تمدنی مسائل کے جابجا تذکرے موجود ہیں۔ جیسے خلافت، ہندو مسلم تعلقات، سود، انگریزوں کی ملازمت، عورت کی حیثیت، پردہ، فحاشی وغیرہ۔[20]

۴.۴ حفاظتِ دین پر نقلی و عقلی دلائل

سورۃ الحجر کی آیت: إِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ترجمہ: ہم ہی نے یہ ذکر اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔[21] کی تفسیر میں حفاظتِ قرآن و تعلیماتِ دینیہ پر بھرپور انداز میں عقلی و نقلی دلائل پیش کیے ہیں:

"ظاہر ہے کہ ایسی غیر معمولی حفاظت انسان اور نوعِ بشری کے بس کی بات نہ تھی، انسان مجموعہ تغیرات ہے، اس کا دل و دماغ، اس کی ذہنی رفتار اور طبعی رجحان و میلان بلکہ عقلی تقاضے ہمیشہ ایک حال پر نہیں رہ سکتے اس تغیر پذیر نیت سے ممکن نہ تھا کہ وہ یکسانی کے ساتھ اپنے دین کو ہر دور

---

[17]۔ قاسمی، *مجموعہ رسائل*، ۱:۸۸۔
[18]۔ قاسمی، *مجموعہ رسائل*، ۱:۹۰۔
[19]۔ قاسمی، *مجموعہ رسائل*، ۱:۱۰۸۔
[20]۔ قاسمی، *مجموعہ رسائل*، ۱:۴۷۷۔
[21]۔ قاسمی، *مجموعہ رسائل*، ۱:۵۸۔

میں یکساں محفوظ رکھ سکتا۔ اگر انسان ایسی لاتبدیل فطرت کا حامل ہوتا تو تورات وانجیل بے نشان کیوں ہوتیں؟ زبور کی اصلیت کیوں گم ہو جاتی؟ صُحفِ آدم اور صُحفِ ابراہیم دنیا سے ناپید کیوں ہو جاتے؟ اگر آخری دین کی حفاظت بھی مثل سابق انسانوں کے ہاتھوں میں دے دی جاتی تو اس دین کا حشر بھی وہی ہوتا جو ادیان سابقہ کا ہوا کہ اس کا نشان بھی باقی نہ رہتا اور انسان کی تغیر پذیر ذہنی رفتار اس میں بھی تغیر و تبدل کے بغیر نہ رہتی۔ لیکن ادیان سابقہ اگر محفوظ نہ رہے اور ختم ہو گئے تو دنیا کی بقاء میں اس لئے فرق نہ آیا کہ نبوت ختم نہ ہوئی تھی، جو شریعت گم ہوتی تھی، اس کی جگہ نئی شریعت، نئی نبوت کے زیر سایہ اس کے قائم مقام ہو جاتی تھی اور دنیا سے حق منقطع نہ ہوتا تھا کہ فناء دنیا کی نوبت آتی لیکن ختم نبوت کے بعد اس دین کے گم ہو جانے سے یہ صورت ممکن نہ تھی کہ نیا دین آجائے اور دنیا فنا نہ ہو، اسلئے اس آخری دین کی حفاظت کی ذمہ داری خود حق تعالیٰ نے لی اور یہ اٹل وعدہ فرمایا کہ ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔" مصنف نے اس موضوع پر متعدد مقامات پر تفصیلی دلائل دیئے ہیں۔[22]

۴.۵ تجدید دین کی اہمیت

آیاتِ قرآنیہ کے ذیل میں تجدید دین کی غیر معمولی اہمیت کا تذکرہ کیا ہے: "مفسرِ موصوف کے نزدیک حفاظتِ دین کی دو ہی صورتیں ہیں، ایک یہ کہ محافظِ دین ایسی طاقتور شخصیتیں کھڑی کی جاتی رہیں جن کا طبعی ذوق اور ذاتی میلان ہی دین کا تحفظ ہو اور وہ عقیدہ و عمل کی سرحدات کو اپنی فکری و عملی قوتوں سے اس حد تک مضبوط کرنے کی فکر میں لگی رہیں کہ اس میں کسی ادنی تغیر و تبدل یا خلل کے تصور کو بھی برداشت نہ کر سکیں۔[23]

"ہر صدی کے شروع میں مجدد کی آمد" کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

"دوسری صورت یہ ہے کہ اصل قانون دین خود ایسا فطری ہو کہ اس میں خود اپنے بقاء وتحفظ کی ذاتی اسپرٹ ہو، اور اس حد تک ہو کہ اس کی طبیعت ہی کسی تغیر و تبدل اور کمی بیشی کو برداشت نہ کر سکے بلکہ اس کی مضبوط ترین حجت و برہان اپنے فطری نمو اور طبعی قوت سے ہر تغیر کے خطرے کو رفع کرتی رہے، جس سے اس کے آمنے سامنے اور دائیں بائیں کسی باطل کی پہنچ ہی ناممکن ہو، سو اس دین کی حفاظت کے لئے دونوں صورتیں اختیار کی گئیں۔ پہلی صورت یعنی سرتاپا دین اور مجسم اسلام قسم کی شخصیتیں ہر ایسے دور میں مختلف اندازوں اور عنوانوں سے پیدا کی جاتی رہیں کہ جن میں دین اور اجزائے دین کے خطرہ میں پڑ جانے کا کوئی امکان نہ دیکھا گیا، مثلاً انسانی ذہنیت سو برس کے دور میں طبعاً متغیر ہو جاتی ہے، کیوں کہ سو برس میں ایک قرن ختم ہو کر دوسرے قرن کے لئے جگہ خالی کرتا ہے اور ایک نسل پوری کی پوری ختم ہو کر دنیا کو دوسری نسل کے ہاتھ میں چھوڑ جاتی ہے، جس کی ذہنیت یقیناً وہ نہیں رہتی، جو سو برس پہلے کے لوگوں کی تھی، انسان کے ذہنی ارتقاء کے تحت ذہن بدل جاتا ہے، نظریات تبدیل ہو جاتے ہیں، نئے ترقی یافتہ نظریات سامنے آجاتے ہیں، تمدنی رجحانات پہلے سے نہیں رہتے، طرز زندگی میں نمایاں تبدیلیاں ہوتی ہیں اور گویا یہ انسان وہ نہیں رہتا، جو سو برس پہلے کا انسان تھا۔ اس لئے ہر قرن کے آغاز میں دین کیلئے یہ خطرہ قدرتی تھا کہ نئے انسانوں کی ذہنی تبدیلیاں اسے بدل نہ ڈالیں اور اس کے سابقہ رنگ کو پھیکا کر کے اس پر کوئی نیا رنگ نہ چڑھا دیں، جس سے اس کا اصلی اور قدیم رنگ ناقابل التفات ہو جائے، اس لئے ہر صدی کے سرے پر اسلام میں مجددوں کا وعدہ دیا گیا، جو دین کو ان نئے انسانوں کی ذہنیت کی رعایت رکھتے ہوئے نو بہ نو اور تازہ بہ تازہ کرتے

[22]۔ قاسمی، **مجموعہ رسائل**، ۱: ۱۴۵۔
[23]۔ قاسمی، **مجموعہ رسائل**، ۱: ۵۸۔

رہیں اور اس کے اصول و فروع کو نکھار کر اس طرح سامنے لائیں کہ نئے نئے شکوک و شبہات کا قلع قمع بھی ہو جائے اور قدیم مسائل جدید دلائل کے ساتھ اور زیادہ روشن اور صاف ہو کر نئے قرن کے سامنے آجائیں۔"[۲۴]

۴.۶ شریعتِ اسلام بطور کامل نظامِ حیات کی عکاس

آپ کی تحریروں میں شریعت کو ایک منظم و مرتب نظامِ قانون وحیات پر دلائل موجود ہیں۔ جیسے ایک جگہ رقم طراز ہیں:" بالکل یہی صورت شرعیات کی بھی ہے کہ تشریع کے یہ لاکھوں مسائل اور شریعت کی یہ ہیئتِ کذائی مخفی، سطحی اور نمائشی نہیں بلکہ پوری شریعت اپنے ظاہری مسائل اور باطنی دلائل نیز اپنے تمام فروع اور اصول کے لحاظ سے اس درجہ مرتب اور منظم ہے کہ وہ مثل ایک سیدھی زنجیر کے ہے جس میں یہ سارے اصول اور فروع اور جزئیات وکلیات درجہ بدرجہ ترتیب وار پرو دیئے ہوئے ہیں۔ شریعت کا کوئی جزئیہ نہیں جو کسی نہ کسی کلیہ کے ماتحت نہ ہو، ہر ہر فرع کسی نہ کسی اصول کے ماتحت ہے پھر ہر ہر اصول کسی نہ کسی اصل اصول سے مربوط ہے اور بالآخر سارے اصول وکلیات سمٹ کر کسی ایک اصل اصیل سے جڑے ہوئے ہیں جس سے پوری شریعت ایک محیر العقول نظام کے ہاتھ اور ایک ایسے شجرہ واحدہ کی صورت دکھائی دیتی ہے جس کی تمام شاخیں اور شاخ در شاخ ٹہنیاں مع اپنے ثمرات کے ایک اصل واحد سے ناشی ہو رہی ہیں، اور ہر آن اپنے مستفیدوں کو اپنے پھلوں سے بہرہ مند کر رہی ہے۔[۲۵]

> مَثَلُ كَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ لا تُرى أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا[۲۶]
>
> مثال کلمہ طیبہ کی اس پاک درخت کی مانند ہے جس کی جڑ تو تہ میں گھسی ہوئی ہو اور شاخیں آسمان سے باتیں کر رہی ہوں، پھل دے رہا ہو، ہر آن اپنے پروردگار کی جانب سے۔"[۲۷]

۴.۷ اسلام واحد راہِ نجات

مولانا موصوف نے اپنے خطبات وکلام میں قرآنِ حکیم کی مختلف آیات کی وضاحت کرتے ہوئے اسلام کو بطور واحد راہ نجات پیش کیا ہے: قرآنِ حکیم کی حسب ذیل آیات[۲۸]: کی وضاحت میں کہتے ہیں:

" اسلام خدا کا آخری پیغام اور اس کے آسمان سے اترا ہوا آخری دین ہے، جو قیامت تک کے تمام انسانوں کے لئے پیغام اور دستورِ زندگی ہے، اس کے بعد نہ کوئی دین آنے والا ہے، نہ کوئی شریعت، کیوں کہ نبوت ختم ہو چکی اور خاتم النبیین آچکے ہیں۔ اس لئے خاتم الانبیاء کا دین ہی قدرتی طور پر خاتم الادیان، ان کی شریعت، خاتم الشرائع اور اس شریعت کی کتاب خاتم الکتب ہو سکتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ یہ دین مع اپنی بنیادوں کے قیامت تک باقی اور محفوظ رہے ورنہ اس صورت میں کہ یہ دین اور شریعت تو باقی نہ رہے اور جدید شریعت آنے والی نہ ہو، تو دنیا سے حق

---

[۲۴]۔ قاسمی، **مجموعہ رسائل**، ۱:۵۹۔
[۲۵]۔ قاسمی، **مجموعہ رسائل**، ۱:۳۸۶۔
[۲۶]۔ ابراہیم ۱۴:۲۴
[۲۷]۔ اس مضمون کی کئی مثالیں تفسیر میں موجود ہیں۔ جیسے جلد اول، ص: ۳۹۷، وغیرہ
[۲۸]۔ المائدہ ۵:۳؛ الحجر ۱۵:۹؛ الاحزاب ۳۳:۴۰؛ البقرہ ۲:۱۲۹؛ القیامۃ ۷۵:۱۶

کمیتہ منقطع ہو جاتا ہے، حالاں کہ دنیا کی بقا، ہی حق اور نامِ حق سے ہے، جس دن ایک بھی اللہ اللہ کہنے والا اس زمین پر باقی نہ رہے گا اسی دن قیامت قائم کر دی جائے گی اور یہ سارا کارخانہ درہم برہم ہو جائے گا۔ اسلئے قیامت سے پہلے کوئی ساعت بھی ایسی نہیں آسکتی کہ اس میں حق اور ناحق سرے سے باقی نہ رہے، سو ختم نبوت اور خاتم الشرائع کے آجانے کے بعد جب کہ کوئی نئی شریعت آنے والی نہیں، بقاء حق کی صورت اس کے سوا دوسری نہیں ہوسکتی کہ آخری دین کو قیامت تک باقی رکھا جائے اور زمانہ کی دست برد سے اس کی حفاظت ہو، تاکہ کسی راہ سے بھی اس میں خلل اور زائل نہ آنے پائے، خواہ تلبیس کرنے والے کتنے بھی پیدا ہو جائیں، فرقے اور گروہ کتنے ہی بن جائیں، تحریف و تاویل سے شکوک و شبہات کے دروازے کتنے بھی کھول دیئے جائیں لیکن اصل دین اپنی اسی اصلی شان اور اپنی پوری پوری کیفیت و حقیقت کے ساتھ اسی انداز سے باقی رہے، جس انداز سے وہ اپنی ابتدائی زندگی میں محفوظ تھا۔"[۲۹]

۴.۸ صحابہ کی فضیلت

آپ کے تفسیری بیانات میں صحابہ کرام کی افضلیت و تقدس کے بیانات قابلِ ذکر ہیں۔ آیتِ کریمہ: وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ کی وضاحت میں تفصیل سے اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے:

"حضرات صحابہ کی جو فضیلت اور بڑائی ہے اس کی بنیاد صحبت نبوی ہی تو ہے۔ محض تعلیم نہیں بلکہ صحبت یافتگی ہے، جنہوں نے اپنی آنکھوں سے دیدار کیا، نبی کریم کے چہرے مبارک کا، جنہوں نے اپنے ہاتھ سے ہاتھ ملایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے، جنہوں نے حضور کی خوشبو سونگھی پاس بیٹھ کر یہ وہ فضیلت ہے کہ بڑے سے بڑا قطب ہو جائے امت میں صحابی کے رتبہ کو نہیں پہنچ سکتا، صحابی نے براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نور حاصل کیا ہے، ہمیں دو نور واسطہ در واسطہ ہو کر ملا ہے، تو وہ بلا واسطہ جو شرف ہے محبت و معیت کا وہ صرف صحابہ کو حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چونکہ صحابہ رنگوں میں رنگے ہوئے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے، وہی خوبو دی ذوق حاصل کیا ہے، برسہا برس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت میں رہ کر صحبت مبارک میں رہ کر وہ ذوق صحابہ نے عرض کیا کہ وہ لوگ کون ہیں؟ فرمایا: ما انا علیه و اصحابی جس طریق پر آج میں اور میرے صحابہ ہیں۔ دہی دو طریقہ ہے جو نجات کا ذریعہ بنے گا۔ تو گویا اپنے ساتھ صحابہ کو بھی ملایا اور مجموعہ کہا کہ یہ معیار ہے فرقوں کے حق و باطل سمجھنے کا، جو ہم پر منطبق ہو جائے وہ فرقہ حقہ ہے جو ہم سے منحرف ہو جائے دوناری ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات اقدس کے ساتھ اپنے صحابہ کو بھی ملایا اور مجموعہ کو معیار بتلایا فرقوں کے حق اور باطل ہونے کا تو ظاہر بات ہے کہ جیسے ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معیار جان کر ہمارا سب سے پہلا کام یہ ہو گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں محبت کامل ہوں عقیدت کامل ہو، اتباع کامل ہو، وہی نوعیت صحابہ میں آئے گی کہ محبت بھی ہماری ان سے کامل ہو، سی کی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے صحابہ کے طبقہ کو من حیث المطبقہ مقدس بتلایا یعنی بلا استثناء تمام صحابہ کو مقدس کہا۔"[۳۰]

---

[۲۹]۔ قاسمی، **مجموعہ رسائل**، ۱:۵۸۔

[۳۰]۔ قاسمی، **مجموعہ رسائل**، ۱:۱۵۸۔

۴.۹. تحریر و تقریر میں منطقی ربط

مولانا موصوف کی تحریر و تقریر میں لاجواب منطقی ربط موجود ہوتا تھا۔ ایک پیرا گراف ملاحظہ ہو! "لیکن پھر سلف و خلف میں بھی بہر حال کچھ نہ کچھ فصل اور وقفہ ضرور ہوتا ہے، سلف کے بعد خلف کو بنتے ہوئے بھی بہر حال کچھ نہ کچھ دیر ضرور لگتی ہے، اندیشہ تھا کہ سلف کے اٹھنے پر جب کہ خلف ابھی حدِ تکمیل کو نہ پہنچے ہوں، باطل پرست میدان خالی دیکھ کر آدھمکیں اور وقت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنا ابلیسی کام کر گذریں۔ جس سے امت میں ذہنی انتشار اور تشویش راہ پا جائے اور دین رخصت ہونے لگے۔ تو امت کو اطمینان دلانے کے لئے یہ وعدہ بھی کیا گیا کہ کوئی بھی ساعت اور وقفہ امت پر ایسا نہ گذرے گا کہ اس میں ہمہ وقت کوئی طائفہ حقہ موجود نہ رہے، جو موید من اللہ اور منصور منجانب اللہ ہو۔ یعنی امت مرحومہ کو ہر گز پریشان نہ ہونا چاہئے وہ لاوارثی امت نہیں، زندہ نبی کی امت اور زندہ شریعت کی پیرو ہے، جس میں دین کے معیار کی زندہ جماعتیں ہمیشہ برقرار رہیں گی۔"[۳۱]

۴.۱۰. تفہیمِ دین

مفسرِ موصوف، آیاتِ قرآنیہ کے حوالے سے دینِ اسلام کے بنیادی اصولوں کو آسان انداز میں سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں: ایک جگہ رقم طراز ہیں: "مگر یہ ظاہر ہے کہ دین کی یہ حفاظت بیرونی اور خارجی وسائل سے متعلق ہے، ذاتی حفاظت یہ ہے کہ خود دین اپنی ساخت پرداخت اور وضع کے لحاظ سے انمٹ اور بذات خود محفوظ رہنے کی اسپرٹ اپنے اندر رکھتا ہو، اسلامی شریعت اپنے اصول ومبانی اور دلائل وبراہین کے لحاظ سے بذات خود بھی من جانب اللہ محفوظ وانمٹ ہے، جس میں کسی رخنہ اندازی کی گنجائش نہیں۔ یعنی حفاظت دین کی دوسری صورت بھی اختیار کی گئی کہ خود اس کی ذاتی حجت کو انمٹ بنایا گیا اور اس طرح کہ اس دین کی دو ہی اصلیں ہیں، جو صدر شریعت اور دین کا سرچشمہ ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔

یوں اس دین کی دو اصلیں اور بھی ہیں جن کا نام اجماع اور قیاس ہے، جو بلاشبہ واجب الاطاعت ہیں، چنانچہ قرآن حکیم نے امت پر تین ہی اطاعتیں فرض بھی فرمائی ہیں۔ اطاعتِ خدا، اطاعتِ رسول اور اطاعت اولی الامر یعنی راسخین فی العلم کے اجتہادی نظائر کی اطاعت، یا اس قسم کے ہم قرن اہل رسوخ کی اجماع کردہ شئے کی اطاعت جو یقیناً حجت شرعی ہے۔ یہ قیاس اور اجماع کی دونوں اصلیں باوجود حجت شرعیہ ہونے کے تشریعی نہیں بلکہ تفریعی ہیں، جو مستقل بالحجت نہیں، جب تک کہ ان کا رجوع کتاب و سنت کی طرف نہ ہو، کیوں کہ مایجمع علیہ (جس پر اجماع کیا جائے) وہی معتبر ہو سکتا ہے، جس پر پہلے سے کوئی دلیل کتاب و سنت سے قائم ہو، ورنہ مجرد، میل اور محض ہویٰ سے کسی چیز پر جمع ہو جانا اجماع نہیں، درآنحالیکہ امت میں ایسا اجماع جو گمراہی پر ہو، ہو بھی نہیں سکتا۔

اسی طرح قیاس کی مقیس (یعنی قیاسی جزئیہ) وہی معتبر ہو سکتا ہے، جس کا مقیس علیہ (جس پر قیاس کیا جائے) کتاب و سنت میں موجود ہو اور اس مقیس اور مقیس علیہ میں کوئی رشتہ جامعیت بھی ہو جو منصوص کے حکم کو غیر منصوص میں منتقل کر دے۔ پس ان کی تشریعی حیثیت خود اصل

---

[۳۱] قاسمی، **مجموعہ رسائل**، ۱: ۶۰۔

نہیں بلکہ کتاب اللہ وسنتِ رسول اللہ ﷺ کے تابع ہے، اس لئے دین کی مستقل حجت اور تشریعی اصلیں دو ہی رہ جاتی ہیں: ایک کتاب اللہ دوسرے سنت رسول اللہ ﷺ۔[۳۲]

گو بعض علماء نے ایک تیسری چیز اجتہادِ نبوت کو بھی مستقل حجت اور مصدرِ احکام کہا ہے لیکن وہ بھی مستقل بالحجۃ نہیں، کیوں کہ جب کوئی حکم منصوص نازل نہ ہوتا اور بعد انتظار آپ اجتہاد فرماتے تو درصورت صواب بذریعہ وحی یا سکوت رضا آپ کو اس پر مستقر کر دیا جاتا، جو حکم میں سنت کے ہو جاتا ورنہ علی الفور تنبیہ کر کے اس سے ہٹا دیا جاتا تھا۔ اس لئے اس کا مرجع بھی بالآخر وحی ہی نکلی۔ متلو ہو یا غیر متلو، یعنی کتاب اللہ یا سنت نبوی۔ اس لئے مستقل حجتیں وہی دو رہتی ہیں، کتاب اور سنت۔ اور جب کہ یہی دو اصلیں تشریعی تھیں، جو آخر کی دو تفریعی اصلوں سے بالاتر بلکہ ان کی اساس تھیں تو قرآن کریم نے جس طرح چاروں اصلوں کو وجوبِ اطاعت میں جمع فرما دیا تھا (جس کی طرف ابھی اشارہ گذرا) اسی طرح اکثر مواقع پر صرف ان دونوں اصلوں کو وجوبِ اتباع میں جمع فرمایا ہے۔ گویا نفس، حجیت میں قرآن وحدیث کو مساوی اور متوازی شمار کیا ہے۔"[۳۳]

۴.۱۱. علومِ بلاغت ومنطق کا اظہار

تحریر وتقریر میں ان علوم کا اظہار نمایاں ہے۔ ایک مقام پر رقم طراز ہیں:

"مثلاً اگر آیت وروایت کا بعینہ ایک مضمون ہے تو حدیث کو بیانِ تاکید کہا جائے گا، اگر آیت کے مختلف محتملات میں سے کسی ایک احتمال کو حدیث نے متعین کیا ہے تو بیان تعیین کہا جائے گا۔ اگر آیت کا پیش کردہ حکم مقدار کے لحاظ سے مبہم ہے، جسے حدیث نے مشخص کیا ہے، تو بیانِ تقدیر کہا جائے گا، اگر آیت کے کسی اجمال کو حدیث نے کھولا اور پھیلایا ہے، تو بیانِ تفصیل ہو گا۔ اگر آیت کے کسی چھوڑے ہوئے مضمون مثلاً کسی قصہ کے ٹکڑے کو یا دلیل کے کسی مقدمہ کو حدیث نے اس کے ساتھ ملا دیا تو بیانِ الحاق کہا جائے گا، اگر آیت کے حکم کی وجہ حدیث نے ظاہر کی ہے تو بیان توجیہ کہا جائے گا، اگر آیت کے کسی کلیہ کا کوئی جزئیہ حدیث نے ذکر کر دیا ہے تو بیانِ تمثیل ہو گا، اگر حکمِ آیت کی علت، حدیث نے واضح کی ہے تو بیانِ تعلیل کہا جائے گا، اگر کسی قرآنی حکم کے خواص و آثار، حدیث نے کھولے ہیں تو بیانِ تاثیر کہا جائے گا، اگر کسی حکمِ آیت کی حدود، حدیث نے واضح کی ہوں تو بیانِ تحدید کہا جائے گا، اگر کسی عام کا کوئی فرد مشخص کر دیا ہو تو بیانِ تخصیص کہا جائے گا، اگر آیت کے کسی جزئیہ کے مشابہ کوئی جزئیہ کسی مشترک علت کی بنا پر حدیث نے پیش کیا ہو تو بیانِ قیاس کہا جائے گا، اگر آیت کے کسی اصول کلی سے حدیث نے کوئی جزئیہ مستنبط کر کے پیش کیا ہے تو بیانِ تفریع کہا جائے گا اور اگر قرآن کے کسی جزئیہ سے حدیث نے کوئی کلیہ اخذ کر کے نمایاں کیا ہو، تو بیانِ استخراج کہا جائے گا وغیرہ وغیرہ۔ جن کی مثالیں طول کے خیال سے نقل نہیں کی گئیں۔

غرض حدیثِ نبوی ﷺ، قرآن کا بیان ہے اور بیان کی مختلف انواع ہیں، جو نوعیتِ مضامین کے لحاظ سے مشخص ہوتی ہیں اور انہی کی مناسبت سے اس بیان کا نام اور عنوان شخص ہوتا ہے۔"[۳۴]

۳۲۔ قاسمی، **مجموعہ رسائل**، ۱: ۶۲۔۲
۳۳۔ قاسمی، **مجموعہ رسائل**، ۱: ۶۳۔
۳۴۔ قاسمی، **مجموعہ رسائل**، ۱: ۷۴۔

۴.۱۲. تفسیر کا کلامی پہلو

تفسیر کا کلامی پہلو بہت جاندار ہے۔ اہم کلامی مسائل، توحید، رسالت، ختمِ نبوت، حفاظتِ قرآن، سجدہ، معجزہ، وقوعِ قیامت، رویتِ باری تعالیٰ، علمِ غیب، میلاد النبی وغیرہ پر جاندار بحثیں موجود ہیں۔[۳۵]

انسانی مساوات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "پہلے جزء میں منطوق دعویٰ یہ ہے کہ: اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک ماں باپ سے پیدا کیا ہے۔ اس ماں باپ کی وحدت سے تمام انسانوں کی یکسانی اور تساوی بیان کرنا مقصود ہے اگر نامہ ہے کہ ان میں یہ تساوی بلحاظ صورت وہیئت، اشکال والوان یعنی ظاہری بینات کی تو مراد ہو ہی نہیں سکتی کہ یہ بداہت اور مشاہدہ کے خلاف ہے، کوئی ایک انسان بھی دوسرے سے شکل وصورت، قد وقامت اور ناک نقشہ میں نہیں ملتا۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ عادت وخصلت، اخلاق ملکات، جذبات واحساسات عقل وفہم یعنی باطنی اور نفسانی ہیأت کی تساوی اور یکسانی بھی مراد نہیں ہو سکتی کہ ہر شخص اس میں بھی اپنا ہی مخصوص رنگ رکھتا ہے، جس سے اس کی شخصیت اور فردیت قائم ہے۔ پس نہ ظاہری شخصیات کی تساوی مراد ہے نہ باطنی تشخصات کی اور نہ ہو سکتی ہے کہ ایھا النّاسُ سے انسانی افراد مراد ہیں اور وہ بغیر ان تشخصات کے افراد ہی نہیں رہ سکتے، اس لئے لامحالہ یہ یکسانی اور مساوات کسی ایسی چیز میں ہو سکتی ہے جو تمام انسانی افراد میں یکساں طریق پر پائی جائے اور ظاہر ہے کہ وہ چیز شخصی ہونے کے بجائے نوعی ہی ہو سکتی ہے جو سارے بنی آدم میں مشترک ہو اور وہ یقیناً انسانیت یا اس کے دوسرے ہم پلہ کی خواص ہوں گے۔"[36]

پس دعوائے آیت کا حاصل یہ نکلا کہ اے لوگو تم ایک ماں باپ کی اولاد ہونے کی وجہ سے سب کے سب انسان ہو اور اس انسانی حیثیت میں مساوی ہو۔ تم میں بلحاظ نوعیت نہ کوئی فرق ہے نہ تفاوت۔ پس قرآن کریم کو خلقی مساوات اور ماں باپ کی وحدت بیان کرنے سے نوعی مساوات ثابت کرنا مقصود ہے جو بدایۃً ثابت ہو جاتی ہے۔[۳۷]

۵. خلاصہ ونتائج بحث

خطبات حکیم الاسلام میں کثیر خاصی تعداد میں تفسیری نکات موجود ہیں۔ یہ نکات عام فہم انداز میں پیش کیے گئے ہیں۔ علماء وعوام، ہر دو طبقوں کے لیے قابلِ استفادہ ہے۔ تفسیر بالماثور کا رجحان غالب ہے۔ اجتہادی، تفسیری نکات بھی البتہ موجود ہیں۔ دینِ اسلام اور اس کی تعلیمات کا جابجا دفاع کیا گیا ہے۔ دین کو حتمی ذریعہ نجات کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ امہات کتبِ تفسیر وحدیث وکلام کے حوالوں سے بات کی گئی ہے۔ احادیث سے بہت استفادہ کیا گیا ہے۔ تحریر میں منطقی ربط موجود ہے۔ ایجاز کے بجائے اطناب کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ عصری سیاسی، سماجی، معاشی اور تمدنی مسائل کو زیرِ بحث لاتے ہیں۔ آیات کے لغوی اور بلاغی پہلوؤں کو خصوصی طور پر بیان کرتے ہیں۔ متکلمانہ، منطقیانہ اور خطیبانہ انداز نمایاں ہے۔

---

[۳۵]۔ قاسمی، **مجموعہ رسائل**، ۱:۲۶۸ تا ۲۷۰، ۲۹۱؛ ۳۱۹؛ ۳۳۰؛ ۳۶۹۔ وغیرھم۔

[۳۶]۔ قاسمی، **مجموعہ رسائل**، ۱:۵۶۸۔

[۳۷]۔ قاسمی، **مجموعہ رسائل**، ۱:۵۶۹۔

کتابیات

احمد بن حنبل، **مسند احمد**، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۲۰۰۲م)۔

البیہقی، **شعب الایمان** (بیروت: دار العلم، ۱۹۹۸م)۔

قاسمی، قاری محمد طیب، **خطباتِ حکیم الاسلام**، مرتبہ: محمد عمران قاسمی بگیانوی (مردان: مکتبۃ الاحرار، ۲۰۱۱)۔

وسیم اعجاز (کراچی)، **مضمون**، در، مجلہ ماہنامہ رحیمیہ (لاہور: ستمبر ۲۰۲۰ء)۔

رضوی، سید محمد، **تاریخ دار العلوم دیوبند** (لاہور: ادارہ اسلامیات، س ن)۔

الحاکم نیسابوری، **المستدرک**، كتاب الفتن والملاحم، باب يوما يوم كسنة، (بیروت: دار احیاء التراث، ۲۰۰۱م)۔

ابن بطۃ، **الابانۃ الکبریٰ**، (بیروت: دار العلم، ۱۹۹۹)۔

بخاری، **الجامع الصحیح**، (بیروت: دار احیاء التراث، ۲۰۰۱)۔

اربعون حدیثاً من فضائل القرآن، الجزء ۱، الحدیث ۱ (بحوالہ المکتبۃ الشاملہ، السعودیہ، ۲۰۲۲)۔

قاسمی، محمد طیب، **مجموعہ رسائل حکیم الاسلام**، (مکتبۃ الاحرار، مردان، ۲۰۱۱)۔